فکر یہ بھی۔ مغرب مسلمانوں سے متعلق سوالات اُٹھا رہا ہے، مگر اس کا تناظر محدود رہتا ہے۔ مغرب میں اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں بہت سے مفروضے مدتِ مدید سے موجود رہے ہیں اور بعض نئے مفروضے خود مسلمانوں نے اپنے بارے میں پیش کر رکھے ہیں۔ بیسویں صدی میں اسلام کی سیاسی تعبیر نے تو مشرق و مغرب کو بھنبھل بھوسے میں ڈال رکھا ہے۔ ایسی صورت میں مغرب کے لیے مسلمانوں کے بارے میں مطالعات پیش کرنا خاصا مشکل ہو رہا ہے۔

زیرِ نظر کتاب محنت سے لکھی گئی ہے اور محبت سے خالی نہیں۔ یہ محبت دہشت گرد گروہوں سے نہیں، موضوع سے محبت ہے۔ اس لیے یہ کتاب بہت سے حقائق کھولتی اور بہت سی بصیرت مہیا کرتی ہے۔ یہی مصنفہ کی محنت کا ثمر ہے۔

کتاب: تہذیبی نرگسیت

مصنف: مبارک حیدر

صفحات: ۱۴۰

قیمت: ۱۵۰ روپے

پبلشر: سانجھ پبلی کیشنز، لاہور

تبصرہ نگار: امجد طفیل

مبارک حیدر نے پاکستان بالخصوص اور مسلم دُنیا بالخصوص کے تناظر میں ایک تہذیبی نظریہ سازی کی ہے اور اُسے اپنی کتاب ''تہذیبی نرگسیت'' میں نہایت جذباتی انداز میں پیش کیا ہے۔تہذیبی نرگسیت چھوٹے چھوٹے ۲۶- ابواب پر مشتمل ہے۔جس میں کتاب کے اندر بیان کیے گئے مختلف نقاط کو بیان کیا گیا ہے۔

''نرگسیت'' کا تصور بنیادی طور پر نفسیات سے ماخذ ہے اور اسے اوّل اوّل سگمنڈ

فرائیڈ نے انسانی نفسیات کی تفہیم کے لیے استعمال کیا تھا۔ فرائیڈ کا خیال تھا کہ انسانی نشو ونما میں ایک دور ایسا آ تا ہے، وہ اپنی ذات کی محبت میں اُسیر ہو جاتا ہے اور اُس کے لیے ساری دُنیا ثانوی حیثیت اختیار کر لیتی ہے۔ اس سے انسانی شخصیت میں ایک نوع کی سستی اور عدم فعالیت جنم لیتی ہے۔ نرگسیت کے اس تصور کو گذشتہ چند سالوں میں تنظیمی کردار کے ماہرین نے اعلیٰ ترین عہدوں پر خدمات سرانجام دینے والے افراد کے تجزیے کے لیے بھی استعمال کیا ہے۔ اس کے لیے شخصیت کی ایک آزمائش ''پانچ بڑے عامل'' (Five Big Factors) استعمال کی جاتی ہے، جس سے کسی فرد میں نرگسیت کے رجحان کی پیمائش بھی کی جا سکتی ہے۔ اس نوعیت کے مطالعات یہ بتاتے ہیں کہ جو لوگ اعلیٰ ترین عہدوں تک پہنچ جاتے ہیں، وہ ایک خاص نوعیت کی نرگسیت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ وہ دوسروں کی آراء کو اہمیت نہیں دیتے۔ دوسروں پر اپنی مرضی مسلط کرتے ہیں جس کے نتیجے میں تنظیم کی فعالیت متاثر ہوتی ہے۔

مبارک حیدر نے تنظیمی کردار کے اس نوعیت کے مطالعات سے متاثر ہو کر نرگسیت کے اس تصور کا اطلاق ایک ارب ۲۵ کروڑ انسانوں پر کیا ہے اور کمال دیدہ دلیری سے من پسند نتائج اخذ کیے ہیں۔ کتاب کا باب ''نرگسیت کا مرض'' بنیادی نظریہ سازی پر مشتمل ہے۔ انہوں نے سائیکالوجسٹ ڈاکٹر ڈیوڈ تھامس کے پی ایچ ڈی پروفائل سائیٹ سے نرگسی شخصیت کے بارے میں ۱۰ (دس) نقاط اخذ کیے ہیں، جن سے نرگسی شخصیت کے بنیادی اوصاف واضح ہوتے ہیں۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ کتاب کا واحد باب ہے جس کے آخر میں حوالہ جات درج ہیں۔ یہ آٹھ کتابوں پر مشتمل ہیں لیکن اس میں فرائیڈ کی کسی کتاب کا ذکر نہیں جو نرگسیت کے تصور کا بانی ہے۔ ولہیم رائخ کی کتاب ''Character Analysis'' کا حوالہ موجود ہے لیکن میرے ناقص مطالعہ کے مطابق تو رائخ کے کسی تصور کو کتاب میں استعمال نہیں کیا گیا۔ یوں اس کتاب کی فکری بنیاد اپنے اندر کچھ جواب طلب پہلو لیے ہوئے ہے۔ کتاب کا آغاز ''تمہید کے طور پر'' سے ہوتا ہے جس کا پہلا پیراگراف ہی ایک فتوے کی حیثیت رکھتا ہے جس میں مسلم امہ کے دہشت گردی میں بڑا نام کمانے کا تذکرہ مذکور ہے۔ اس کے بعد پوری کتاب میں چن چن

کر ایسی باتوں کو جمع کیا گیا ہے جس سے مسلمانوں کی ایک تاریک تصویر تراشی جا سکے اور ظاہر ہے کہ ایسی باتیں جمع کرنے کے لیے اب زیادہ محنت نہیں کرنا پڑتی۔ اس کتاب نے مجھے پانچ چھ سال قبل امریکا سے شائع ہونے والی کتاب ''In the Wake of 9/11'' کی یاد دلا دی۔ یہ کتاب امریکن سائیکالوجیکل ایسوسی ایشن جیسے ادارے نے شائع کی تھی اور اس کے مصنّفین کے بارے میں دعویٰ کیا گیا تھا کہ یہ Evolutionary Experimental Psychologist ہیں لیکن ان سائیکوجسٹ نے چن چن کر ایسے واقعات جمع کیے تھے جن سے یہ ثابت ہو سکے کہ مسلمان اس دُنیا کی واحد بری قوم ہیں اور جوشِ خطابت میں اُنہوں نے احمد آباد بھارت میں ٹرین میں لوگوں کو جلانے کا الزام بھی مسلمانوں کے سر ڈال دیا تھا جس کے بارے میں خود بھارتی حکومت کا قائم کردہ کمیشن یہ طے کر چکا تھا کہ ٹرین کے حادثے میں کوئی مسلمان ملوث نہیں تھا، ہاں اُس کے بعد ہزاروں مسلمان شہید کیے گئے۔ وہ سوچا سمجھا منصوبہ بند عمل تھا۔ لیکن ظاہر ہے جب آپ کے سامنے ایک مخصوص نقطۂ نظر کو درست ثابت کرنا ہو تو پھر آپ کہیں کی اینٹ اور کہیں کے روڑے سے بھان متی کا کنبہ جوڑتے ہیں۔ ایسی مثالیں آپ کو ''تہذیبی نرگسیت'' میں بھی مل جائیں گی۔

''تمہید کے طور پر'' کے دوسرے پیراگراف میں درج ہے کہ ''خوشحال اور ترقی یافتہ معاشروں کا دعویٰ ہے کہ جسے دہشت گردی کہا جا رہا ہے، وہ سرگرمی اسلام کے بنیادی کردار کا حصہ ہے'' اپنی اس بات کے ثبوت میں وہ کوئی دلیل نہیں دیتے کوئی ثبوت پیش نہیں کرتے۔ ظاہر ہے ثبوت اور دلیل تو علمی کام کا تقاضا ہے۔ وعظ کرتے ہوئے آپ اپنی بات کی تکرار سے لوگوں کے ذہنوں میں ایک مخصوص بات کے نقش بٹھاتے ہیں اور یہ کوشش اس کتاب میں خوبصورتی سے کی گئی ہے۔ اب جہاں تک ''خوشحال اور ترقی یافتہ معاشروں'' کے بڑے لیڈروں کی بات ہے تو وہ سرِ عام تو اس بات کو اُبھارتے ہیں کہ موجودہ دہشت گردی کا اسلام سے کوئی تعلق نہیں اور یہ ایک مخصوص گروپ ہے جو یہ کام کر رہا ہے۔ ہاں اگر اندرونِ خانہ وہ اصل بات صرف ''خاص لوگوں'' کو بتاتے ہیں تو اُس تک ہماری رسائی نہیں۔ ایک اور بات یہ ہے کہ کیا

مصنف اس بات کا جواب دینے کی صلاحیت رکھتے ہیں کہ بیسویں صدی میں پورے کرۂ ارض پر جو قتل و غارت گری روا رکھی گئی ہے اُس میں کتنے فیصد حصہ مسلمانوں کا ہے۔ لاطینی امریکا میں انسانیت کُش صورتِ حال مسلمانوں نے پیدا کی ہے؟ ویت نام پر نیپام کیا بم مسلمانوں نے برسائے۔ افریقہ میں کروڑوں لوگوں کو فاقوں سے دوچار کرنے والے مسلمان ہیں؟ فلسطینیوں کو مسلمان دہشت گردوں نے قتل و غارت سے دوچار کیا؟ اور عراق میں دہشت گردوں نے جو بڑی تباہی پھیلانے والے ہتھیار جمع کر رکھے تھے، وہ اگر چل جاتے تو امریکا سمیت پوری دُنیا تباہ ہو جاتی۔ ابوغریب جیل میں مسلمانوں نے امریکیوں پر بڑا ظلم کیا! گوانتاناموبے کیمپ مسلمانوں کی بربریت کا ثبوت ہے؟ مسلمانوں کے ایک سال کے بچے بھی دہشت گرد ہیں، کیونکہ اُنہوں نے دہشت گرد ماں کے بطن سے جنم لیا ہے۔ اس نوعیت کے سوالات مبارک حیدر کو اپنی جانب متوجہ نہیں کرتے کیونکہ انہیں ایک مخصوص نقطۂ نظر کو اُبھارنا ہے۔ مسلمان تنگ نظر اور ایذا پسند ہے کہ اُن کی قید کاٹنے والی سفید فام جدید تعلیمات سے آراستہ خاتون صحافی اپنا مذہب تبدیل کر لیتی ہے اور امریکن انسانیت پسند اور رحم دل ہیں کہ اُن کی قید میں ڈاکٹر عافیہ صدیقی اپنا ذہنی توازن کھو دیتی ہے۔

کتاب کے پہلے باب ''تہذیبی نرگسیت'' میں اُنہوں نے مسلمان ذہن میں موجود ایک آرزو کو اپنا موضوع بنایا ہے کہ وہ ساری دُنیا پر اپنا جھنڈا لہرانا چاہتے ہیں۔ کسی بھی طرح کے جوابی ردِعمل میں جائے بغیر میں مبارک حیدر سے صرف اتنا پوچھنا چاہوں گا کہ کیا ہندو، ہندواتہ کے ذریعے کم از کم جنوب مشرقی ایشیا کے لیے، یہودی گریٹر اسرائیل کے ذریعے پورے مشرقِ وسطیٰ کے لیے اور بنیاد پرست عیسائی پوری دُنیا کے لیے اسی نوعیت کے خیالات نہیں رکھتے اور اگر رکھتے ہیں تو پھر صرف مسلمان ہی کیوں موردِ الزام ہیں؟ کیا اس لیے کہ موجودہ صورتِ حال میں عالمی بالادست طبقے صرف مسلمانوں کو اپنی جارحانہ حکمتِ عملی کا ہدف بنائے ہوئے ہیں اور ہم اپنی تبحر علمی کا سارا وزن بالادست کے پلڑے میں ڈال کر خود کو بھاری بھرکم ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

مبارک حیدر نے بجاطور پر لکھا ہے کہ مسلمان معاشروں میں امریکا سے نفرت کی جڑیں اسلامی تشخص میں ہیں۔ اُنھوں نے مزید کہا ہے کہ مسلمان انسانی ہمدردی یا انصاف کے تقاضوں کے لیے امریکا کی مخالفت نہیں کرتے۔ یہاں اُن سے سادہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ وہ انسانی ہمدردی یا انصاف کے تقاضے پورے کرنے کے لیے امریکی استعمار کی مخالفت کیوں نہیں کرتے اور دلائل کا پورا وزن امریکی استعمار کے پلڑے میں کیوں ڈالتے ہیں۔

''تہذیبی نرگسیت'' میں دلائل کا ایک انداز یہ اختیار کیا گیا ہے کہ پاکستان اور کسی حد تک افغان معاشرے سے جو نتائج اخذ کیے گئے ہیں، اُن کا اطلاق پوری دُنیا کے مسلمان معاشروں پر کیا گیا ہے اور اس حوالے سے اُن ثقافتی، سیاسی اور سماجی اختلافات کو بالکل فراموش کر دیا گیا جو ان معاشروں میں پائے جاتے ہیں۔ اسی طرح کتاب میں جگہ جگہ عمومی بیانات دیے ہیں جن کو مستند حقائق کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ یوں تہذیبی نرگسیت میں واعظانہ اسلوب اتنا نمایاں ہے کہ حیرت ہوتی ہے، مبارک حیدر مولوی کی مخالفت کس بھرتے پر کر رہے ہیں۔ اس طرح پوری کتاب میں شدید جذباتی انداز اختیار کیا گیا ہے۔ دلیل کی کمی کو جذباتی لے سے پورا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کتاب میں قارئین کے لیے جذباتی اپیل تو موجود ہے لیکن عقلی دلائل کا فقدان ہے، جس سے یہ کتاب عمومی نوعیت کی صحافتی تحریر کے قریب آ جاتی ہے۔

اس کتاب کا باب ''اسلاف کا فخر'' قاری کے بہت سے افکار کو توڑتا ہے اور مبارک حیدر کے بارے میں بارگرد سوچنے کی دعوت دیتا ہے۔ اس باب میں جدید میڈیا کی تکنیک کو استعمال کرتے ہوئے ایک کہانی کی مدد سے مسلمان معاشرے میں روا رکھے جانے والے ظلم کی عکاسی، خصوصاً عورتوں کے بارے میں مذہبی طبقے کے ظلم کا پردہ چاک کیا ہے اور بتایا ہے کہ کیسے عام مسلمان سارے دُکھ سہہ کر بھی راضی بہ رضا رہتا ہے۔ اس کتاب کے ص ۱۱۰ کے آخری پیراگراف کا پہلا جملہ قاری کے ذہن میں اضطراب پیدا کرتا ہے۔ مبارک حیدر لکھتے ہیں:

''لطف کی بات یہ ہے کہ چند روز پہلے اس ملازمہ کی سولہ سالہ بیٹی کو ایک مدرسہ کے